جمالِ وارث در آئینہ جلالپوری

حمادرسول*

Abstract:
'Heer Waris Shah' enjoys an unputdownable repute in Punjabi Classics. It incorporates the language, culture and civilization of Punjab under one umbrella. This article analyzes a misunderstanding related to 'Heer Waris Shah', with reference to Syed Ali Abbas Jalalpuri, on rational and scientific basis. In the light of scientific attitude, some new perspectives of 'Heer Waris Shah' are raised in one place and some old concepts are abandoned on the other.

وارث شاہ کا شمار پنجابی کے کلاسیکی شعراء میں ہوتا ہے آپ کے تحریر کردہ قصہ 'ہیر رانجھا' کو نہ صرف شہرت دوام حاصل ہوئی بلکہ اسی قصہ کی بدولت وارث شاہ کا نام بھی بقا سے ہمکنار ہوا ہیر وارث شاہ میں خطہِ، پنجاب کی زبان، رسوم رواج، تہذیب وثقافت اور مذہبی عقائد کا عکس اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جھلکتا ہے۔ یہ وارث شاہ کا کمال ہے کہ انہوں نے ہیر کے اوراق میں دیس پنجاب کے معاصر معاشرے کو ہمیشہ کیلئے زندہ کر دیا ہے۔ آپ کی پیدائش سے متعلق مختلف آراء پائی جاتی ہیں عذرا وقار کی تحقیق کے مطابق:

> ''وارث شاہ کی پیدائش ۱۷۲۰ء (۱۱۳۲ھ) ہوئی۔ ان کے والد کا نام قطب شاہ تھا اور جنڈیالہ شیر خان ضلع شیخو پورہ میں پیداء ہوئے۔''[۱]

ڈاکٹر سید اختر جعفری اپنے مضمون ''پنجابی شاعری کی ابتداء اور کلاسیکی شاعر'' میں سید وارث شاہ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> ''سید وارث شاہ ۱۷۲۲ء کے لگ بھگ جنڈیالہ شیر خان ضلع شیخو پورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید گل شیر شاہ تھا۔''[۲]

ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد کی تحقیق کے مطابق وارث شاہ کا سن ولادت ۱۱۲۰ھ بنتا ہے۔[۳]

جبکہ چوہدری محمد افضل خان کے قیاس کے مطابق وارث شاہ کی پیدائش ۱۱۳۰ھ سے ۱۱۶۰ھ کا درمیانی عرصہ ہوسکتا ہے۔[۴]

مذکورہ بالا تمام محققین کا سوائے ڈاکٹر سید اختر جعفری کے اس بات پر اتفاق ہے کہ وارث شاہ کے والد کا نام

* ریسرچ سکالر، شعبۂ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

سید قطب شاہ تھا۔ اور اس بات کا ذکر خود وارث شاہ نے کیا ہے لکھتے ہیں:

'بناں عملاں دے نئیں نجات تیری ماریا جائیں گا قطب دیا بیٹیا اوے'

''لیکن لگتا ہے جعفری صاحب نے متن دیکھنے کی مہارت نہیں کی''۔ وارث شاہ کے حالاتِ زندگی کے متعلق انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا میں درج ہے:

> ''حصول علم کی خاطر قصور گئے اور مولوی محی الدین کے شاگرد ہوئے۔ مولوی غلام مرتضٰی سے بھی درس لیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد پاکپتن میں بابا فرید کے مزار پر حاضر ہوئے اور منازل سلوک طے کیں۔ پھر ایک گاؤں ٹھٹھ جاہد کی ایک مسجد میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا جہاں ایک لڑکی بھاگ بھری سے عشق ہو گیا۔ اس محبت میں ناکام ہونے کے بعد وارث شاہ پاکپتن کے ایک قریبی گاؤں ملکہ ہانس میں اٹھ آئے۔ جہاں ''ہیر رانجھا'' تصنیف کی۔''[۵]

قصہ 'ہیر رانجھا' ہمیں فارسی اور پنجابی دونوں زبانوں میں ملتا ہے۔ پنجابی زبان میں سب سے پہلے اس قصے کو 'دُمودر داس' نے ۵۶۹ھ بمطابق ۱۴۷۲ء میں منظوم کیا۔[۶]

اس کے علاوہ شاعر احمد گوجر نے (۹۳-۱۶۹۲) میں، چراغ اعوان نے سرائیکی میں (۱۱۲۱ھ)، حافظ شاہجہاں عقیل نے ۱۷۴۵ھ میں، وارث شاہ نے ۱۱۸۰ھ میں، احمد کوی نے ۱۱۳۰ھ میں، اور بہیل نے ۱۱۹۰ھ میں تصنیف کیا۔

فارسی زبان میں بیتا پسر حکیم درویش چنابی نے ۱۱۱۰ھ میں علی بیگ نے ۱۱۲۳ھ میں، فقیر اللہ آفرین نے ۱۱۲۳ھ میں، نواب احمد یار خان گورگانی نے ۱۱۴۲ء میں، لائق نے ۱۱۵۷ھ میں، منسارام خوشابی نے ۱۱۵۷ھ میں، منشی سندر داس آرام نے ۱۱۷۴ھ میں تصنیف کیا اس کے علاوہ ہندی، انگریزی اور اردو زبانوں میں بھی اس قصہ کو منظوم کیا گیا لیکن جو شہرت اور عروج وارث شاہ کو نصیب ہوا وہ کسی اور لکھاری کو نصیب نہ ہو سکا۔ وارث شاہ نے اس قصہ کو فرمائش پر منظوم کیا۔ لکھتے ہیں:

یاراں اساں نوں آن سوال کیتا قصہ ہیر دا نواں بنائیے جی
ایس پریم دی جھوک دا سب قصہ جیبھ سوہنی نال سنائیے جی
نال عجب بہار دے شعر کر کے رانجھے ہیر دا میل کرائیے جی

یاراں نال مجالساں وچ بہہ کے مزا ہیر دے عشق دا پایئے جی

[۷]

وارث شاہ کی دردمندی اور سوز قلب نے 'ہیر' کے اشعار کو بے پناہ سوز و گداز اور تاثیر بخشی ہے کہ اہل دل وجد کرنے لگتے ہیں اور عشاق کے چہرے ہیجانِ آرزو سے تمتا اٹھتے ہیں وارث شاہ کے نزدیک عشق و محبت کوئی اختیاری فعل نہیں ہے بلکہ یہ تو نوشتۂ تقدیر ہے، عشق ہی کائنات کی تکوین اور تخلیقِ آدم کا سبب ہے اور زہد و ریاضت عشق کے بغیر خام ہے۔

جہاں ہیر وارث شاہ نے اپنے سوز و گداز اور اثر آفرینی کی بدولت ایک عالم کو اپنے حلقہ اثر میں لے رکھا ہے وہیں پر کچھ مغالطے بھی رواج پا چکے ہیں جس کی کچھ وجہ تو خود وارث شاہ کی ذات ہے اور کچھ ایسے اہل تصوف جو کہ عقل و خرد کی بجائے عشق و مستی اور بے خودی کو اصل قرار دیتے ہیں۔ تصوف سے منسلک لوگوں کے ہاں ہیر وارث شاہ سے متعلق روایت ہے کہ

> ''وارث شاہ پاکپتن کے ایک قریبی گاؤں ملکہ ہانس میں اٹھ آئے۔ جہاں 'ہیر رانجھا' تصنیف کی ملکہ ہانس میں طویل قیام کے بعد پھر جنڈیالہ شیر خان کو واپس ہوئے۔ راستے میں قصور میں ٹھہرے اور اپنے استاد کو 'ہیر رانجھا' کا کچھ حصہ سنایا۔ استاد نے نظم میں مسائل تصوف کو عاشقانہ انداز میں پیش کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تم نے مونج کی رسی میں موتی پرو دیئے ہیں۔'' [۸]

اسی روایت کو ڈاکٹر اختر حسین جعفری نے بھی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''یہ شاہکار تخلیق کرنے کے بعد اپنے استاد حافظ غلام مرتضٰی قصوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں قصہ سنایا۔ انہوں نے سن کر فرمایا۔ تم نے بان کی رسی میں موتی پرو دیے ہیں۔ اگر یہی قصہ عشق مجازی کی بجائے عشق حقیقی میں ہوتا تو لطف دوبالا ہو جاتا۔'' [۹]

مغالطہ کا دوسرا سبب وہ پندرہ (۱۵) مصرعے ہیں جو وارث شاہ نے اس قصہ کے آخر میں اضافہ کیے ہیں اور جن کی وجہ سے یہ پورا قصہ ایک نیا رنگ اختیار کر جاتا ہے اس سے متعلق ڈاکٹر اختر حسین جعفری لکھتے ہیں:

> ''قصور میں کچھ عرصہ قیام کے بعد وارث شاہ جھنڈیالہ شیر خان چلے گئے اور ۱۶

مصرعے لکھ کر قصہ ہیر رانجھا کے آخر میں شامل کیے۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ اس قصہ میں 'ہیر' روح کی علامت ہے جبکہ 'رانجھا' جسم کا استعارہ ہے، پنج پیر سے مراد انسان کے پانچ حواس ہیں اور کیدو دراصل شیطان ہے۔ یوں وارث شاہ نے قصے کو علامتی روپ دے کر عشق حقیقی کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ہے۔" [۱۰]

آخیر کلام کے اندر وارث شاہ اپنی رمزّیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیر روح ہے۔ چاک قلبوت ہے۔ بالناتھ مرشد ہے، پانچ پیروں سے مراد حواس خمسہ ہیں، مسجد ماں کا پیٹ اور ملکی و چوچک اصول وفقہہ ہیں چند مصرعے ملاحظہ کریں۔

ہیر روح تے چاک قلبوت جانوں بالناتھ ایہہ پیر بنایا ای
پنج پیر نے پنج حواس تیرے جنہاں تھاپنا تدتھ نوں لایا ای
قاضی حق جھیل تے عمل تیرے عیالی منکر تکبیر ٹھہرایا ای
کوٹھا گور عزرائیل ہے کھیڑا جیہڑا الیندا ای روح نوں دھایا ای
کیدو لنگا شیطان ملعون جانوں جس نے وچ دیواں پھڑائیا ای
سہتی موت تے جسم ہے یار رانجھا ایہناں دویاں نے بھیڑ مچایا ای
شہوت بھابھی تے بھکھ رابیل باندی جنہاں جنتوں مار کڈھائیا ای
جوگ ہے عورت کن پاڑ جس نے سبھ انگ بھبھوت رمائیا ای

[۱۱]

یہ وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر کچھ خاص حلقوں میں اور ایک خاص طرزِ فکر کے حامل لوگوں میں ہیر وارث شاہ کی ایک الگ تعبیر وتوضیح کی جاتی ہے۔ سید علی عباس جلالپوری (۱۹۹۸-۱۹۱۴) جنہوں نے عقلیت پسندی اور روشن خیالی کی روایت کو آگے بڑھانےمیں اپنا کردار کیا اور عوام الناس میں سائنس طرزِ فکر اور استدلال کو اجاگر کیا نے پہلی بار رائج تعبیر سے انکار کرتے ہوئے عقلی وسائنسی بنیادوں پر ان توہمات پر گرفت کی۔ اپنی کتاب 'مقاماتِ وارث شاہ' میں جلالپوری نے ہیر وارث شاہ کے جمال وجلال پر نہایت مدلل گفتگو کی ہے جس کی بدولت ہیر وارث شاہ کے کئی ایسے پہلو نمایاں ہوکر سامنے آتے ہیں جو اس سے قبل کسی اور نے بیان نہیں کیئے۔

وارث شاہ کے اس ادعا پر کہ ہیر رانجھے کے پیرائے میں انہوں نے تصوف وعرفان کے مضامین پیش کیئے ہیں اور کرداروں کو علامتی روپ میں پیش کیا ہے۔سید علی عباس جلالپوری اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہیر کو روح اور رانجھے کو جسم تصور کرنا خلاف عقل ہے۔ لکھتے ہیں:

''وہ ہیر کو روح اور رانجھے کو قالب کہتے ہیں۔ ہیر کو روح اور رانجھے کو محبوب ازلی کے رابطے سے تو سمجھا جا سکتا ہے لیکن انہیں روح اور قالب کے تعلق سے سمجھنا باعث تردد ہے۔نوفلاطونیت، وحدتِ وجود اور ویدانت نینوں کی رو سے روح مادی جسم کی قید میں اسیر ہو جاتی ہے جس سے گلو خلاصی پانے کیلیئے تجرد اور مراتبے کو بروائے کار لایا جاتا ہے۔شیر کو روح اور رانجھے کو قالب سمجھ لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ روح قالب سے واصل ہونے کیلیئے بے چین ہے جو ظاہراً نا قابل قبول ہے۔''[۱۲]

وارث ''پنج پیر'' کو پانچ حواس قرار دیتے ہیں جو کہ انسان کو ہدایت اور راہنمائی دیتے ہیں پر اعتراض کرتے ہوئے جلالپوری کہتے ہیں کہ ''جوگ یا وحدت وجود، دونوں میں حواس سالک کی گمراہی کا باعث ہوتے ہیں۔اسی طرح وارث شاہ سہتی کو 'موت' قرار دیتے ہیں جو کہ بعید از قیاس ہے۔کہتے ہیں:

''حرص کو کھینچ تان کر ناگ، ناؤ کو پل صراط، میکے کو دنیا اور باغ کو گور کہا جا سکتا ہے لیکن سہتی جیسی شوخ وشریر لڑکی کو موت کہنا اور سیدے جیسے بودے بزدل کو عزرائیل کہنا کسی صورت بھی موزوں نہیں ہے۔''[۱۳]

سہتی کی شوخی او تیزی طراری کی کوئی حد نہیں ہے، ہیر اور رانجھے سے اس کے مکالمے اس کا کھلا ثبوت ہے۔ رانجھا جوگی کے بھیس میں ہیر سے ملنے کے لئے آتا ہے تو سہتی اس کی خوب خبر لیتی ہے اور خوب جلی کٹی سناتی ہے:۔

نہیں فقر دے بھیت دا ذرا واقف، خبراں تدھ نوں مہیں چرائیاں دیاں
چُنڑ سواہ بھرے، دیکھو مگر لگیا جنویں کتیاں ہون حلوائیاں دیاں
جیڑیاں سون اجاڑ وچ وانگ خچر قدراں اوہ کیہہ جاندیاں دائیاں دیاں
گدھے وانگ جاں رَجیوں کریں مستی کچھاں سنگھنائیں رناں پرائیاں دیاں

[۱۴]

سید علی عباس جلالپوری کا یہ استدلال بجا ہے کہ سہتی کو موت سے تعبیر کرنا کسی طور درست نہیں ہے۔ یہ بات کتنی مضحکہخیز ہیں کہ سہتی جو کہ ''موت'' ہے رانجھے اور ہیر کو بھگانے میں نہ صرف ممد و معاون ہے بلکہ رانجھے سے اپنے اور مراد کے وصال کی درخواست بھی کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر شاہ مراد مجھے مل جائے تو میرے تنِ مردہ میں بھی زندگی دوڑ جائے:۔

نکل کوٹھیوں تُرت تیار ہوئے سہتی آن حضور سلام کیتا
بیڑا لا بنے اساں عاجزاں دا رب فضل تیرے اُتے عام کیتا
میرا یار ملاوناں واسطہ ای اساں کم تیرا سرانجام کیتا
بھابھی ہتھ پھڑا کے ٹور دِتی کم کھیڑیاں دا سبھ خام کیتا
تیرے واسطے ماپیاں نال کیتی جیویں علیؑ دے نال غلام کیتا
جو کجھ ہوونی سِیتا نال کیتا اَتے دھنسرے نال جو رام کیتا
ملے شاہ مُراد تاں موئی جیواں جیویں تساں دے جیو آرام کیتا

[۱۵]

سید و کھیڑے کا کردار اس پورے قصہ میں نہایت قابل رحم ہے۔ ہیر کو اپنی دلہن بنا کر وہ بہت مسرور تھا لیکن یہ خوشی گریز پا ثابت ہوئی۔ شبِ زفاف کو ہیر نے اسے اپنے قریب نہ پھٹکنے دیا اور ہیر کے ہاتھوں اسے ذلت اٹھانا پڑی۔ دوسری طرف جب ہیر نے ظاہر کیا کہ مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے اور سیدا رانجھے کو علاج کیلئے بلانے باغ میں گیا تو رانجھے کے ہاتھوں اس کی درگت بنتی ہے۔ اب اگر ہم سید و کھیڑے کو وارث شاہ کے کہنے پر عزرائیل مان بھی لیں تو پھر سوال اٹھتا ہے کہ یہ کیسا عزرائیل ہے جو کبھی ہیر کے ہاتھوں رسوا ہوتا ہے اور کبھی رانجھے کے ہاتھوں ذلیل۔

''جوگی رکھ کے اَنکھ تے نال غصے کڈھ اکھیاں روہ پلٹیا ای
اِیہہ ہیر دا وارثی ہو بیٹھا! چا دائریوں سُواہ وِچ سُٹیا ای
پکڑ سیدڑے نال پھوڑیاں دے چور یار وانگوں ڈھا کٹیا ای
لُٹ پُٹ کے مارنکھٹ کے تے کٹ پھاٹ کے ٹوئے وچ سٹیا ای''

[۱۶]

کیدو جسے وارث شاہ شیطان قرار دیتے ہیں کسی طور شیطان کی علامت پر پورا نہیں اترتا ہے۔ کیونکہ وہ نہ تو

گمراہ کرنے کا کام کرتا ہے۔اور نہ ہی ہیر کو گناہ کی ترغیب دیتا ہے اس ضمن میں علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں:

> ''کیدو ان معنوں میں بے شک شیطان ہے کہ وہ ہیر رانجھے کو بیلے کے جنتِ عدن سے نکلوانے کا باعث ہوتا ہے۔لیکن وہ ابلیس کی طرح گمراہ کرنے والا شیطان نہیں ہے۔وہ ہیر کو گناہ کی ترغیب نہیں دیتا۔ بلکہ ہیر اور رانجھے اور رانجھے کے تعلق کی کھلم کھلا مخالفت کرتا ہے۔''[۱۷]

وارث شاہ کی رمزیت اپنی جگہ پر لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ یہ رمزیت کرداروں پر مکمل طور پر پورا نہیں اترتی ہے (یہاں مقصود تمام ہیر کا جائزہ پیش کرنا نہیں ہے بلکہ چند مثالوں کے ذریعہ سے ایک فکری ماحول پیدا کرنا ہے) تاکہ کرداروں اور علامات کے درمیان تضاد کو واضح کیا جاسکے۔سید علی عباس جلالپوری اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''معلوم ہوتا ہے کہ قصہ مکمل کرنے کے بعد اہل ظاہر کی تعریفیں وتنقید سے بچنے کے لیے وارث شاہ نے اسے رمزیت کا جامعہ پہنانے کی کوششیں کی تھی۔اس طرح وہ اہل ظاہر کی تعدی سے تو محفوظ ہو گئے لیکن اپنے فن پر تصوف ورمزیت کا پردہ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکے وہ ایک صوفی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک عظیم شاعر کی حیثیت سے زندہ رہیں گے۔''[۱۸]

جہاں تک تصوف وعرفان کا تعلق ہے وارث شاہ خود صاحب حال صوفی تھے۔اور سلوک کے مقامات سے آشنا تھے۔لیکن شاعر کی حیثیت سے ان کے یہاں تصوف کا کوئی مقام ہے تو وہ یہی ہے کہ

''تصوف برائے شعر گفتن خوب است''

حوالہ جات

۱۔ عذرا وقار، وارث شاہ عہد اور شاعری، اسلام آباد، ادارہ تاریخ وتہذیب وتمدنِ اسلامی، ۱۹۸۱ء، ص ۶۳۔

۲۔ اختر جعفری سید، ڈاکٹر؛ ''پنجابی شاعری کی ابتداء اور کلاسیکل شاعر'' مشمولہ، پنجابی زبان وادب کی مختصر تاریخ مرتب: ڈاکٹر انعام الحق جاوید، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۶۵۔

۳۔ عصمت اللہ زاہد، ڈاکٹر؛ وارث شاہ دا جنم ورھا'' (مقالہ) مشمولہ ''پاکستانی ادب''، جلد اول، ص ۳۱۵۔

۴۔ محمد افضل خان، چوہدری، ''ہیر وارث شاہ''، مکتبہ پنج دریا، لاہور، ص ۳۱۱۔

۵۔ قاسم محمود، سید، انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا، کراچی، شاہکار بک، فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء، ص ۹۹۵۔

۶۔ شریف کنجاہی، ''ہیر دمودرتوں ہیر وارث تک'' مشمولہ ماہانہ ''پرواز'' جولائی ۱۹۸۹ء، لاہور، ص ۶

۷۔ محمد افضل خاں؛ چوہدری؛ ''ہیر وارث شاہ''، مکتبہ پنج دریا، بار چہارم، ۱۹۶۳ء لاہور، ص ۱۱۔

۸۔ قاسم محمود، سید، انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا، کراچی، شاہکار بک، فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء، ص ۹۹۵۔

۹۔ اختر جعفری سید، ڈاکٹر؛ ''پنجابی شاعری کی ابتداء اور کلاسیکی شاعر''، مشمولہ پنجابی زبان وادب کی مختصر تاریخ مرتب انعام الحق جاوید، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۶۶-۶۵۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۶۶۔

۱۱۔ محمد افضل خاں؛ چوہدری؛ ''ہیر وارث شاہ''، مکتبہ پنج دریا لاہور، ص ۲۹۶۔

۱۲۔ جلالپوری، سید علی عباس، ''مقامات وارث شاہ''، تخلیقات لاہور، بار سوم، ۱۹۹۹ء ص ۱۰۶۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۰۷۔

۱۴۔ محمد افضل خاں؛ چوہدری؛ ''ہیر وارث شاہ''، مکتبہ پنج دریا، بار چہارم، ۱۹۶۳ء لاہور، ص ۱۷۱-۱۷۰۔

۱۵۔ محمد افضل خاں؛ چوہدری؛ ''ہیر وارث شاہ''، مکتبہ پنج دریا، بار چہارم، ۱۹۶۳ء لاہور، ص ۲۷۳۔

۱۶۔ محمد افضل خاں؛ چوہدری؛ ''ہیر وارث شاہ''، مکتبہ پنج دریا، بار چہارم، ۱۹۶۳ء لاہور، ص ۲۶۷۔

۱۷۔ جلالپوری، سید علی عباس، ''مقامات وارث شاہ'' تخلیقات لاہور، بار سوم، ۱۹۹۹ء، ص ۱۰۷۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۰۷۔